سلیم خاں گمی

قائدِ اعظمؒ کا مرتبہ و مُقام۔ اپنے معاصر مشاہیر میں

برٹرینڈ رسل کو ہندوستان کی روزمرہ سیاست سے دلچسپی نہ تھی۔ لیکن ایک عظیم دانشور کی حیثیت سے اُسے دنیا کے عہد ساز واقعات اور عہد آفرین شخصیات سے ضرور دلچسپی تھی۔ لہٰذا برٹرینڈ رسل کے الفاظ کو اگر عالمی سیاست کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قائدِ اعظمؒ نہ صرف ہندی مسلمانوں کے محبوب اور محسن تھے بلکہ وہ برٹرینڈ رسل جیسے عظیم مفکرین کی نگاہ میں بھی نہایت بلند مرتبہ و مقام رکھتے تھے۔

برٹرینڈ رسل نے کہا تھا کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں جو محبوبیت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کو نصیب ہوئی، وہ ہندوستان کی تاریخ میں کسی مسلمان کو نصیب نہیں ہوئی۔ رسل بے جا تعریف کا قائل نہ تھا۔ دراصل بنیادی طور پر وہ تعریف و توصیف کے خلاف تھا۔ وہ تعریف و توصیف کو خوشامد پر محمول کرتا تھا۔ لیکن قائدِ اعظمؒ کی شخصیت، حیات اور سیاسی کارناموں نے اس عظیم فلسفی کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ قائدِ اعظمؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیے بغیر نہ رہ سکا۔

قائدِ اعظمؒ کی شخصیت اور کارناموں کو عالمی سیاست کے تناظر میں جانچنے کے لیے ضروری ہے کہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک کی عالمی سیاست اور ہندوستانی سیاست اور ان کے پس منظر و پیش منظر کو مجملاً بیان کیا جائے تاکہ سیاسی مسائل اور شخصیات کے عمل اور ردِ عمل سے پیدا ہونے والی صورتِ حال واضح ہو سکے۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کا زمانہ بے حد نازک تھا۔ یہ وہ عہد تھا جس میں دنیا بھر کی سیاسی

طاقتیں دوسری جنگِ عظیم لڑنے اور فتح پانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ایشیا میں جاپان شہنشاہیت کے تحت ایک نئی فوجی طاقت بن کر اُبھر رہا تھا اور ایشیا میں ایک اوّلین طاقت بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یورپ میں ہٹلر اور مسولینی نیا سیاسی فلسفہ لے کر اُٹھے تھے۔ نازی ازم نے جرمنوں کو نسلی برتری کا جنون دیا تھا۔ قوم پرستی کا یہ جنون آہنی عزم کی وجہ سے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکا تھا۔ مسولینی نے کمزور و ناتواں قوم کو تنظیم کی مضبوط ڈوری میں باندھ لیا تھا۔ وہ پختہ کار راہنما کی حیثیت سے اپنی قوم کا محبوب بن گیا تھا اور فاشزم کے سیاسی فلسفہ نے جمہوریت کے مستقبل کو مخدوش کر دیا تھا۔ نازی ازم اور فاشزم بنیادی طور پر ایک ہی فلسفہ حیات ——— نسلی برتری — کی پیداوار تھے۔ دونوں اشتراکیت اور جمہوریت کے سیاسی حریف تھے۔ اس لیے کہ روس اور مغربی جمہوری فلسفہ پر عمل پیرا ملکوں میں تشویش لازمی امر تھا۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۸ء تک چین میں چیانگ کائی شیک برسرِ اقتدار تھا اور ۱۹۲۸ء میں چین کی بساطِ سیاست پر قابض ہوا تھا۔ اور اس نے نانکنگ کو اپنی حکومت کا نیا دارالحکومت بنایا تھا۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۶ء تک وہ چین کے اندر مختلف سرداروں اور نوابوں سے لڑتا رہا۔ اور ان کو مات دیتا رہا۔ ۱۹۳۶ء میں اسے چینی کمیونسٹوں نے گرفتار کیا۔ لیکن چھوڑ دیا، تاکہ وہ جاپان کے خلاف اہلِ چین کی لڑائی جاری رکھ سکے۔ دوسری جنگِ عظیم میں وہ چینی قوم کی رہنمائی کرتا رہا۔ اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں اسے کیمونسٹوں نے شکست دی اور کامریڈ ماؤزے تنگ چین کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔ چیانگ کائی شیک کیمونسٹوں کے ہاتھوں مات کھانے کے بعد موت تک یہ بڑ ہانکتا رہا کہ وہ چین کے کیمونسٹوں کو شکست دے گا۔ اور چینی حکومت کو تہ و بالا کر دے گا۔ مگر اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

ونسٹن چرچل ایک بڑی عظیم شخصیت کا نام ہے۔ تاہم ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک اُسے برطانوی سیاست میں اقتدار نصیب نہ ہوا۔ اور وہ امورِ خارجہ پر بیانات کے ذریعہ اپنی شخصیت منواتا رہا۔ ۱۹۳۳ء میں نازی جرمنی میں حکمران بنے تو چرچل نے زور دیا کہ برطانیہ اپنی جنگی قوت میں اضافہ کرے۔ وہ نازی ازم کو برطانیہ کے لیے بہت بڑا خطرہ تصور کرتا تھا۔ تاہم جب جرمنی اور

اٹلی کی فوجوں نے اسپین پر چڑھائی کی تو اس نے اس کارروائی کی مخالفت کو ضروری نہ سمجھا۔ تاہم جب ۱۹۳۹ء میں جرمنی آرمی نے پولینڈ پر چڑھائی کی تو چرچل نے اس کی شدید مخالفت کی۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں جب دوسری عالمگیر جنگ شروع ہوئی تو وہ مخلوط وزارت میں وزیر اعظم بنا۔ ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں اس کی سیاسی جماعت ــــــ قدامت پسند پارٹی ــــــ شکست کھا گئی اور اُسے اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھنا پڑا۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۱ء تک چرچل کی جگہ کلیمنٹ رچرڈ ایٹلی وزیر اعظم بنا۔ وہ لیبر پارٹی کا سربراہ تھا۔ اور لیبر پارٹی قیام پاکستان کے خلاف تھی اور قائد اعظم کو اپنا سیاسی حریف تصور کرتی تھی۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک عرب دنیا کا سیاسی نقشہ ابتر تھا۔ دوسرے لفظوں میں عرب انتشار کا شکار تھے۔ ۱۹۴۴ء کے موسم خزاں میں سکندریہ کے مقام پر "عرب اتحاد ابتدائی کانفرنس" منعقد ہوئی، جس میں اس امر پر زور دیا گیا کہ عرب باہم متحد ہوں، تاکہ ان کی سیاسی حالت بہتر ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۰ مئی ۱۹۴۵ء کو عرب لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ عرب لیگ میں مصر، اُردن، عراق لبنان، سعودی عرب، شام اور یمن نے شرکت کی۔ عرب لیگ نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ دی کہ شام، لبنان اور لیبیا سے فرانس کا اقتدار ختم ہو۔ دوسرا اہم مسئلہ فلسطین کا تھا۔ یعنی فلسطین پر عربوں کا قبضہ رہے۔ اور اسرائیل قائم نہ ہو، تاہم عرب لیگ اس دوسرے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اور اسرائیل ۱۹۴۸ء میں قائم ہو گیا۔

روس میں کمیونسٹ پارٹی حکمران تھی، جس کا سربراہ جوزف سٹالن تھا۔ سٹالن کو مردِ آہن کہا جاتا تھا۔ دوسری عالمی جنگ میں اس نے مغربی جمہوریتوں کا ساتھ دیا اور ہٹلر اور مسولینی کی مخالفت کی امریکہ ایک ایسا ملک تھا جو ہندوستان کی سیاست سے الگ تھلگ تھا۔ یہی بات روس کے بارے میں کہی جا سکتی ہے تاکہ روس میں ایک ہی جماعت برسر اقتدار تھی۔ جبکہ امریکہ میں دو جماعتی نظام تھا بہر حال یہ طے ہے کہ روس اور امریکہ کی سیاسی شخصیات کا برصغیر پاک و ہند کی سیاسی صورت حال پر کوئی اثر نہ پڑا۔

مندرجہ بالا سیاسی تجزیہ سے معلوم ہو گا کہ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک کا دس سالہ عہد مسلم کے حساب

سے بے حد نازک تھا۔ لیکن سیاسی شخصیتوں کے اعتبار سے زیادہ اہم نہ تھا۔ روس میں سٹالن ایک طویل جدوجہد کے بعد برسرِ اقتدار آیا تھا۔ اس نے ٹراٹسکی اور اس کے ساتھیوں کو ختم کر کے خالص آمرانہ انداز میں روس پر قبضہ کیا تھا۔ اس کی سیاست کی اساس جبر پر اٹھائی گئی تھی اور یہ کوئی دل خوش کن بات نہ تھی۔ سٹالن بہت بڑی سیاسی شخصیت کا مالک تھا اور جب وہ مرگیا تو خود اس کے ملک میں اس کی شخصیت کا بت چکنا چور رہا۔

امریکہ کا روزویلٹ بڑا تھا یا چھوٹا۔ اس کا فیصلہ ہمارے نقطۂ نظر سے بے معنی ہے۔ کیونکہ نہ وہ اور نہ اس کا ملک برصغیر پاک و ہند کی ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک کی سیاسی صورت پر اثر انداز ہوا۔

عرب دنیا کا حال دگرگوں تھا اور اس کی طرف اوپر اشارہ آچکا ہے۔ عرب اتحاد کی بنیاد ۱۹۴۴ء میں ڈالی گئی۔ لیکن بنیاد کئی بار استوار ہوئی اور کئی بار اکھڑی۔ عرب ممالک کی ہزار کوششوں کے باوجود برطانیہ اسرائیل کے قیام میں کامیاب ہوا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد بھی عرب اتحاد ایک خواب ہی رہا اور یہ خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔

چرچل کی شخصیت ایک متضاد سیاسی شخصیت تھی وہ سپین پر نازی ازم اور فاشزم کے حملہ کو نظر انداز کر دیتا تھا اور پولینڈ پر حملہ کے وقت میدانِ جنگ میں کود پڑتا ہے۔ برطانوی قوم اسے جنگ لڑنے کے لیے چنتی ہے۔ اور جنگ جیتنے کے بعد ٹھکرا دیتی ہے۔ گویا چرچل برطانوی قوم کا ہمیشہ کے لیے محبوب راہنما نہ بن سکا۔ گویا چرچل کی حیثیت برطانوی قوم کے لیے "ڈنگ پٹاؤ لیڈر" کی تھی۔

۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک چیانگ کائی شیک چین کا راہنما تھا۔ لیکن اپنے سیاسی مقاصد میں بری طرح ناکام رہا۔ کیونکہ اُس کا سیاسی فلسفہ چینی قوم کے سیاسی و اقتصادی مقاصد کی نفی کرتا تھا۔ اُسے فارموسا میں پناہ لینا پڑی اور ساری عمر پنجابی فلموں کے روائتی ولن کی طرح فارموسا کو فتح کرنے کی "بڑھک" مارتا رہا۔ اور بے نیل و مرام مرا۔ جاپان نے شہنشاہیت کے شجر کے تحت جو ترقی کی تھی اُسے چین کے ساتھ اور پھر امریکہ کے ساتھ لڑائیوں میں ختم کر دیا اور ۱۹۴۵ء میں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

اس سیاسی تجزیہ میں ترکی کا ذکر جان بوجھ کر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندی مسلمانوں نے تو تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور اپنے ترک بھائیوں کی ہر ابتلا میں بھرپور مدد کی۔ لیکن ترکی داخلی سیاست میں اس حد تک الجھا ہوا تھا کہ ہندی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں بھرپور حصّہ نہ لے سکا۔ ترکی میں مغربی افکار و تصوّرات کے تحت اور انگریزوں کی سازشوں کی وجہ سے ۱۹۲۴ء میں خلافت ختم ہوئی اور کمال اتاترک (۱۸۸۱ء تا ۱۹۳۸ء) کی زیرسرکردگی ترکی جمہوریہ بنا۔ اتاترک نے ترک عوام کی اقتصادی ترقی کے لیے بے حد کام کیا اور ترکی کو اور ترکی دوسرے یورپی ممالک کی صف میں لانے کے لیے ہر سطح پر اقدامات کیے۔ لیکن کمال اتاترک دوسری جنگِ عظیم سے پہلے ہی جان بحق ہو گئے۔ اس لیے ان کا قائدِاعظمؒ کی شخصیت سے تقابل غیر ضروری ہے۔ ہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ قائدِاعظمؒ ایک جمہوری راہنما تھا۔ جبکہ کمال اتاترک کو آمرانہ اختیارات حاصل تھے اور انہوں نے یہ اختیارات اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کیے۔ تاہم یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ کمال اتاترک ترکوں کے ایک عظیم راہنما تھے۔ انہیں جدید ترکی کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ ترک قوم کی تاریخ میں انہیں ہمیشہ ایک منفرد اور عظیم مقام حاصل رہے گا۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۵ء تک ہندوستان دنیا کی سیاست میں ایک اہم سیاسی تنور تھا۔ اسی سیاسی تنور میں ہندوستان کی کئی سیاسی شخصیتیں بھسم ہو گئیں۔ اور کئی سیاسی شخصیتیں اپنا سیاسی وجود داغدار کر بیٹھیں۔ ایک صرف قائدِاعظمؒ کی ذات گرامی تھی۔ جس نے اس تنور کو ہندی مسلمانوں کے لیے گلزار بنا دیا۔ آیئے ذرا جائزہ لیں:۔

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو بجا طور پر آزادی کا پیش رو آئین کہا جاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایکٹ انگریزوں کے قدامت پسند نقطۂ نظر کی نمائندگی کرتا تھا تاہم ۱۹۱۹ء کے ایکٹ سے کہیں بہتر تھا۔ انگریزوں نے یہ آئین اس مفروضہ پر تیار کیا تھا کہ ہندوستان میں حکومت کرنے کا حق صرف ہندوؤں کو حاصل ہے اور اگر مسلمان کسی صوبے میں اکثریت کے مالک ہیں تو وفاقی حکومت ان کو قابو میں رکھے گی، اور ظاہر ہے کہ ہندو اکثریت کی وجہ سے وفاقی حکومت دراصل ہندو حکومت ہو گی۔ برطانوی حکمران اپنی سیاسی اور آئینی حکمتِ عملی میں اسلام اور ہندومت کو قطعاً تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ وہ مذہبی نقطۂ نظر

سے "غیر جانبدار" تھے۔ اور ان کی یہ غیر جانبداری ہندی مسلمانوں کے سراسر خلاف تھی۔ پرسیول سپیر کے الفاظ میں "یہ انگریزوں کی حماقت تھی جس کا خمیازہ ہندوستان کو بھگتنا پڑا۔

(ہسٹری آف انڈیا۔ جلد دوم ۔ ۲۱)

اس ایکٹ کے تحت ہندوستان کی باگ ڈور کانگرس کے ہاتھ میں آگئی اور ہندوستان پہ "کانگرس راج" سوا دو سال تک قائم رہا۔ اس راج کا خاتمہ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو نے خود کیا۔

ہوا یہ کہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اور برطانیہ کو اس جنگ میں کودنا پڑا۔ کانگریسی لیڈروں نے انگریزوں پہ الزام دھرا کہ وہ کانگرس سے مشورہ کیے بغیر جنگ میں شریک ہوئے ہیں اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ جنگ ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی اور کانگریسی وزارتوں کو اکتوبر ۱۹۳۹ء میں مستعفی ہونے کے لیے کانگرس ہائی کمان کا حکم ملا۔ یہ گاندھی اور نہرو کی اوّلین غلطی تھی۔ استعفیٰ دے کر وہ صوبوں کے اقتدار سے الگ ہو گئے تھے اور ایک نازک موقع پہ ہوئے تھے اور اس علیحدگی سے ان کو کوئی سیاسی فائدہ بھی حاصل نہ ہوا۔ مسلم لیگ کو کانگریسی وزارتوں کے استعفیٰ پر یہ فائدہ ہوا، کہ وائسرائے ہند کو جنگ کے دوران سیاسی حمایت کے لیئے مسلم لیگ یعنی قائداعظمؒ کا مرہونِ منت ہونا پڑا۔

گاندھی اور نہرو کا خیال تھا کہ لڑائی شروع ہو چکی ہے اس لیے ہندوستان کو ڈومینین سٹیٹس (DOMINION STATUS) مل جائے گا۔ لیکن حکومت برطانیہ نے انکار کر دیا اور برملا کہا کہ اس مطالبہ پر لڑائی ختم ہونے کے بعد سوچا جائے گا۔ اس صورت حال سے کانگرس کو احساس ہوا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ برطانیہ کا یہ موقف درست تھا کیونکہ برطانیہ زندگی اور موت کے دوراہا پر کھڑا تھا اور کانگریسی لیڈر تماشائی بنے تماشا دیکھ رہے تھے۔

کانگریس کے مسلم لیڈروں گاندھی اور نہرو کے اس طرز عمل سے خود کانگریس کے اندر ایک باغی گروپ پیدا ہوا۔ جس کی راہنمائی سبھاس چندر بوس کر رہا تھا۔ بوس آمرانہ خوابوں کا مالک تھا اور گاندھی اور نہرو کے مقابلہ میں زیادہ شدت پسند تھا۔ بہت سے کانگریسی سبھاس چندر بوس سے اتفاق رکھتے تھے اس لیے کانگریس کے اندر عام بغاوت شروع ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بوس ہندوستان سے بھاگ کر جاپان

چلا گیا اور وہاں ہندوستانی جنگی قیدیوں پر مشتمل انڈین نیشنل آرمی تشکیل دی۔
مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو انگریزوں سے کہتے تھے کہ کانگریس تمام ہندوستان کی واحد سیاسی جماعت ہے اور مسلم لیگ صرف ایک "انتشار پسند گروپ" ہے۔ مسلم لیگ کو اب ایک سنہری موقع مل گیا اور قائداعظمؒ نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی واحد سیاسی تنظیم مسلم لیگ ہے نہ کہ انڈین نیشنل کانگریس۔ جب کانگریسی وزارتوں نے استعفیٰ دیا تو قائداعظمؒ کے حکم کے تحت مسلمانوں نے "یومِ نجات" منایا۔
۱۹۴۱ء میں جاپان اور امریکہ جنگ میں کود پڑے۔ پھر ایک وقت آیا کہ سنگاپور اور برما پر جاپان کا قبضہ ہو گیا اور انگلستان میں چرچل کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ ۱۱ مارچ ۱۹۴۲ء کو سر سٹیفورڈ کرپس نے آئینی تجاویز پیش کیں۔ جنہیں مہاتما گاندھی نے مسترد کر دیا۔ جاپان کی فتوحات کے پیشِ نظر مہاتما گاندھی نے سوچا کہ ہندوستان میں انگریزوں کو شکست ہونے والی ہے۔ اس لیے کیوں نہ ذرا انتظار کر لیا جائے کانگریس کو پورا اختیار مل جائے گا۔ تو مطالبہ پاکستان کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا آسان ہو گا۔ اس سوچ میں پنڈت نہرو نے مہاتما گاندھی کا پورا پورا ساتھ دیا۔ تاہم راج گوپال اچاری نے دونوں سے اختلاف کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُسے کانگریس سے نکال دیا گیا۔
چند مہینوں کے بعد مہاتما گاندھی نے ایک نیا نعرہ ایجاد کیا۔ یہ نعرہ تھا: "ہندوستان چھوڑ دو"
دراصل جاپان ۱۹۴۲ء کے موسم خزاں میں ہندوستان پر حملہ کرنے والا تھا۔ مہاتما گاندھی نے دلیل دی کہ انگریزوں کی ہندوستان میں موجودگی جاپانیوں کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کی دعوت کی حیثیت رکھتی ہے اگر انگریز ہندوستان سے چلے جائیں گے تو جاپانی ہندوستان پر حملہ نہ کریں گے۔ مہاتما گاندھی اس امید پر انگریزوں کو نکل جانے کا مشورہ دے رہے تھے کہ جاپان ہندوستان پر قابض ہونے والا تھا۔ خود گاندھی نے کہا، "یہ کھلی بغاوت ہے۔" آخر، ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو پونہ میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ایک قرارداد کے ذریعہ ہندوستان چھوڑنے کا مطالبہ پیش کیا اور حکومت نے ورکنگ کمیٹی کے تمام ارکان کو جیل بھیج دیا اس کے علاوہ ساٹھ ہزار کانگریسی کارکن سلاخوں کے پیچھے بھیج دیئے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن نہ جاپان ہندوستان پر قبضہ کر سکا اور نہ کانگریس ہندوستان کی سیاسی بساط پر قابض ہو سکی۔
۱۹۴۴ء میں مہاتما گاندھی نے مرن بھرت رکھا۔ لیکن وہ سیاسی تعطل جو ۱۹۳۹ء میں انگریزوں

اور ہندوؤں کے درمیان شروع ہوا تھا ختم نہ ہو سکا۔ دوسری عالمگیر جنگ اب ایشیا سے نکل کر یورپ میں لڑی جا رہی تھی اور انگریز لارڈ ویول کی زیر سرکردگی عسکری اور سیاسی اعتبار سے مضبوط ہو گئے تھے۔

پرسیول سپیر لکھتے ہیں:۔

"کانگریس نے دو فاش غلطیاں کیں۔ پہلی یہ کہ کانگریس نے کرپس کی تجاویز کو مسترد کر دیا اور یوں کرسیٔ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دوسرے یہ کہ ان کو مسلم لیگ کا گلا گھونٹنے کا موقع ملا اور وہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان غلطیوں کی قیمت کانگریس کو تقسیم ہند کی صورت میں ادا کرنی پڑی۔"

——— (ہسٹری آف انڈیا۔ جلد دوم صہ ۲۲۰)

مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کی غلطیاں واضح ہیں۔ سبھاس چندر بوس کی غلطی بھی کم واضح نہیں۔ ان تینوں سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ماسٹر تارا سنگھ اور عبد الغفار خاں کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ خالصتان اور پختونستان کے مطالبے اب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ سکھ رکشہ ڈرائیوروں کی قوم بن کر رہ گئی ہے، اور پختونستان کا مطالبہ سرحد کے غیور اور محبِ وطن پٹھان ایک بار نہیں کئی بار مسترد کر چکے ہیں۔ دراصل یہ "پانچوں لیڈر" اصولی سیاست کے اعتبار سے قائداعظمؒ کے مقابلہ میں "بالشتیے" نظر آتے ہیں۔

اس تمام تجزیہ کا ماحصل یہ ہے کہ قائداعظمؒ عالمی سیاست کے تناظر میں درخشاں آفتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہٹلر اور مسولینی ختم ہو گئے۔ سٹالن کا سیاسی بت بعد از مرگ پاش پاش ہوا۔ چیانگ کائی شیک کو فارموسا میں بن باس لینا پڑا۔ چرچل دوران جنگ اُبھرا اور ڈوب گیا۔ گاندھی اور نہرو نے کئی مرتبہ موقع پرستی سے کام لیا۔ لیکن قیام پاکستان کا عظیم کارنامہ نہ روک سکے۔ ماسٹر تارا سنگھ زخم چاٹتا ہوا زندگی کے دن پورے کر گیا۔ عبد الغفار خاں زخم چاٹ رہا ہے۔ ایک ذات گرامی قائداعظمؒ کی ہے جو اب بھی عالمی بساطِ سیاست پہ پاکستان کی صورت میں جگمگا رہی ہے۔ یقیناً قائداعظمؒ بیسویں صدی کی ایک عظیم ترین عہد ساز شخصیت ہیں اور ان کی یہ حیثیت ہمیشہ قائم رہے گی۔